ڈاکٹر حامد خان حامد

مولانا محمد علی جوہر اور ان کی شاعری

بیسویں صدی کے اوائل میں جب فرنگی استعمار کے خلاف آزادی کی تحریک چلی تو کئی ایک مسلمان سیاسی راہنما یکے بعد دیگرے منظر عام پر آئے۔ اس سلسلے میں بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں: سر سید احمد خان، حکیم اجمل خان، حکیم انصاری، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، علامہ اقبال۔ مولانا محمد علی جوہر گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کے لیے لندن گئے اور وہاں انھوں نے یہ نعرہ لگایا کہ میں یا تو برصغیر کی آزادی کا فرمان لے کر جاؤں گا یا مر جاؤں گا۔ چوں کہ ان دنوں جوہر کی آرزو کو جامۂ عمل پہنانے کی کوئی صورت نہیں تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی دوسری آرزو کا بھرم رکھ لیا۔ اس سفر میں آپ کی روح نے جسدِ خاکی کو الوداع کہا اور مجاہدینِ اسلام کی ارواح کے ساتھ ملحق ہو گئی۔ آپ کے جنازے کو احترام و تجلیل کے ساتھ بیت المقدس پہنچایا گیا اور وہیں انبیائے عظام اور اولیائے کرام کے مدافن اور مقابر کے نزدیک سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ کی وفات پر حمایت نامی شاعر نے ایک فارسی قطعہ کہا جو متعدد اخبارات و رسائل میں شائع ہوا۔ قطعہ یہ ہے:

آں فدائی قوم چوں از فلک رفت — رہنِ غم گشتہ زمین و آسمان

سالِ تاریخش حمایت بر نوشت — از جہان رفتہ نصیب دشمنان

۱۳۴۹

تحریکِ آزادی کے دوران بعض ایسے مسلمان سیاسی راہنما منصۂ شہود پر آئے جو شعر و سخن میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ ان میں مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خان اور مولانا محمد علی جوہر کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ حسرت موہانی اور ظفر علی خان کے شعری خصائص کے بارے میں تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن جوہر کی زندگی کا یہ پہلو بڑی حد تک نظروں سے اوجھل رہا ہے۔ جوہر کو انگریزی اور اردو کا بہترین انشاپرداز تو تسلیم کیا گیا، ان کی خطابت اور شعلہ بیانی یا سحر گفتاری پر بھی انھیں خراجِ تحسین پیش کیا گیا، لیکن ان کے شاعرانہ جوہر کما حقہٗ طور پر سامنے نہ آ سکے۔ ان کے اس پہلو سے بے توجہی کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ ریڈیو اور ٹیلی وژن کے ذہنی آزمائش کے پروگراموں میں جب ان کے بعض مشہور اشعار کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو بہت کم لوگ شاعر کا نام بتانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ آپ کے ایسے ہی اشعار میں سے جو شعر

زیادہ تر پوچھا جاتا رہا ہے، وہ یہ ہے:

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اس چیز کے پیشِ نظر میں یہاں جوہر کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے قطع نظر کر کے صرف ان کی شاعرانہ خصوصیات کا جائزہ لینے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس ذیل میں سب سے پہلے آپ کا یہ شعر قابلِ توجہ ہے:

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر
مر کے جوہر آپ کے جوہر کھلے

ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد ہی آپ کی دلی تمنا پایۂ تکمیل کو پہنچی اور برصغیر کے مسلمانوں پر نہ صرف جوہر کے جوہر کھلے بلکہ ان کی مساعیِ جمیلہ کے ثمر خیز ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو استفادے اور استفاضے کا موقع ملا۔

جوہر کے کلام میں ساختگی، تصنع یا بناوٹ نظر نہیں آتی۔ انھوں نے قافیہ پیمائی یا ردیف آرائی کی خاطر میدانِ شعر میں قدم نہیں رکھا، بلکہ ذہنی واردات، قلبی کیفیات اور وقائع نگاری یا واقعات بندی کے لیے قوافی اور ردائف کی آڑلی اور موزوں و منضبط شکل میں ایک لازوال سرمایہ ہمارے واسطے فراہم کر دیا۔

آپ کے دیوان میں جو "گنجینۂ جوہر" کے نام سے ۱۹۵۰ء میں محراب ادب کراچی کی طرف سے شائع ہوا ہے اور جسے دوست قدوائی نے مرتب کیا ہے، زمانۂ طالب علمی سے لے کر عمر کے مختلف مراحل تک کا کلام موجود ہے۔ اصنافِ سخن کے اعتبار سے اس میں غزلیات، نوحے، مرثیے اور دیگر منظومات موجود ہیں، جن کو نظمیہ غزلیں یا غزلیہ نظمیں کہا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں متفرق اشعار جو فردیات اور قطعات کی صورت میں ہیں، وہ بھی مذکورہ دیوان میں موجود ہیں۔

اردو شاعری کی تاریخ تو بہت طویل ہے۔ نثر کی طرح یہ بھی دکن سے شروع ہوئی، پھر شمالی ہندوستان کی طرف آئی۔ دہلی، لکھنؤ اور رام پور ایسے ادبی مراکز قائم ہوئے۔ مولانا محمد حسین آزاد کی کوششوں سے لاہور بھی ادبی مرکز بن گیا۔ تقسیم کے بعد اردو ادب کے کم و بیش سارے وہ مراکز اجڑ کر رہ گئے، جن کا تعلق بھارت سے ہے، اب صرف لاہور ہی ایسا ادبی، تہذیبی اور ثقافتی مرکز ہے جہاں شعر و ادب کی نشو و نما بطریقِ احسن انجام پا رہی ہے، اگرچہ یہاں کی اردو زبان میں مقامی بولیوں یا زبانوں کے تال میل سے ایک نیا مزاج پیدا ہو رہا ہے۔ آگے چل کر ہمیں اسی زبان کو ٹکسالی زبان کا درجہ دینا ہوگا۔

جوہر اردو شاعری میں زیادہ تر میر تقی میر، غالب، داغ اور امیر مینائی سے متاثر نظر آتے ہیں۔ غالب کے اثرات ان پر دیگر شعرا کی نسبت بڑے بھرپور انداز میں مرتسم ہوتے ہیں۔ چنانچہ کئی ایک غزلیں غالب کی زمین

میں کہی ہیں۔ ذیل میں فرداً فرداً جوہر کے ایسے اشعار کا جائزہ لیا جاتا ہے، جو انھوں نے مذکورہ شعرا کے انداز یا ان کے رنگ خاص میں کہے ہیں۔

اگر میر و غالب کے سہل ممتنع کی جستجو مقصود ہو تو جوہر کے ان اشعار میں ان کے نمونے مل جائیں گے:

قید تنہائی کا لذت آشنا — کیسے کہدوں تارک لذات ہے
دشمنوں سے گر تلطف ہے تو پھر — دوستوں سے بھی مدارا چاہیے
یہ بگڑنا ہے سب بناوٹ کا — منتظر ہیں فقط منانے کے

امیر مینائی کا رنگ تغزل جوہر کے اشعار ذیل میں دکھائی دیتا ہے:

ڈر نہیں مجھ کو گناہوں کی گرانباری کا — تیری رحمت ہے سبب میری سبکساری کا
بوجھ میرا نہ اٹھائے کوئی محشر میں تو کیا — دستگیر آپ جو رحمت ہے گنہگاروں کی

داغ کی معاملہ بندی، سلاست زبان اور سادگی بیان ان اشعار میں نظر آتی ہے:

ان کے در سے زکوٰۃ حسن اگر — گالیاں بھی ملیں تو کھا لینا
ایک ہی جام اور یہ سرمستی — قیا سا! دیکھ، میں چلا، لینا
نہیں معلوم آئی تھی حیا کم بخت کو کس سے — کہ حسرت نے مرے دامان دل میں آکے منہ ڈھانکا

بعض نقادوں کا خیال ہے کہ جوہر کا مندرجہ ذیل شعر، ریاض خیرآبادی کے جملہ کلام پر بھاری ہے:

کرنا ہی تھا حرام تو پھر وعدہ کس لیے — یہ کیا کہ مے حلال وہاں ہو یہاں نہ ہو

غالب کے طرز بیان، تصوف و فلسفہ، دقت نظر، وسعت خیال اور ندرت فکر کا نمونہ جوہر کے اشعار ذیل میں نظر آتا ہے:

طواف کعبہ بھی کر آئے شوق حور و غلماں میں — جب آخر دار کو دیکھا در باغ جناں پایا
جان بھی چیز ہے کوئی کہ رکھیں تم سے دریغ — پاس اتنا بھی نہ ہو رسم وفاداری کا
عشق ہی باعث تکوین جہاں ہے غافل — تو نے جانا کہ یہ اک شغل ہے بیکاری کا
دور حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد — ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد
لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں — آتا ہے لطف جرم تمنا سزا کے بعد
ہے رشک کیوں یہ ہم کو سردار دیکھ کر — دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

پہلو سے دل کو لیکے وہ کہتے ہیں ناز سے ___ کیا آئیں گھر میں آپ ہی جب میزباں نہ ہو

نہ اُڑ جائیں کہیں قیدی قفس کے ___ ذرا پر باندھنا صیاد کس کے

یہ ستانے کی نکالی ہے انوکھی ترکیب ___ ظلم کا نام ستمگر نے حیا رکھا ہے

جوہر کے کلام میں اگرچہ اختصار ہے، لیکن جامعیت بھی موجود ہے۔ اس کا فنی تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں تصوف کے مسائل، فلسفے کے دقائق، عشق کی سرمستیاں، حسن کی دل نوازیاں، غم واندوہ کی کلفتیں، خدا کی وحدانیت، مسرتوں کی لذتیں، ظرافتوں کی چاشنیاں، اخلاق کی راہنمائیاں وغیرہ سبھی کچھ موجود ہے۔

آپ کے رنگِ تغزل کے لیے ذیل کے چند ایک شعر ملاحظہ ہوں :

ہم تو سمجھے تھے کہ ہوں گے اور بھی ظلم و ستم ___ حوصلہ کچھ بھی نہ نکلا آپ کی بیداد کا

آساں نہ تھا تقربِ شیریں تو کیا ہوا ___ تیشے کو کوئی رکھ نہ سکا کوہکن سے دور

ہم خاصگانِ اہلِ نظر اور یہ قتلِ عام ___ جور و ستم بھی کر تو ستمگار دیکھ کر

ہر سینہ آج ہے ترے پیکاں کا منتظر ___ ہو انتخاب اسے نگہ یار دیکھ کر

جوہر کے جو اشعار قبولیت عامہ حاصل کر چکے ہیں، ان میں سے دو تو پہلے درج کیے جا چکے ہیں، جن کے قافیے اور ردیف یہ ہیں : کربلا کے بعد، جوہر کھلے۔ ایک اور شعر جس نے کافی شہرت پائی، یہ ہے:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے ___ یہ بندہ، دو عالم سے، خفا میرے لیے ہے

معنویت کے لحاظ سے جوہر کے جو اشعار قابلِ غور و تعمق ہیں، ان میں سے چند ایک یہاں ثبت کیے جاتے ہیں :

جب اپنی پوری جوانی پہ آگئی دنیا ___ تو زندگی کے لیے آخری نظام آیا

آدمیت ہے تو بنیاد ہے سرخوبی کی ___ ہو نہ یہ بھی تو دھرا کیا پھر انساں کے پاس

ہر شے کو لے کے شکر کیا بھی تو کیا کیا ___ جاں دیتے وقت شکر ادا ہو تو جانیے

رہرو تھا راہ عشق کا منزل کو پا لیا ___ اب اور کیا نشاں مری لوحِ مزار دے

طنز و ظرافت سے بھی جوہر کا کلام خالی نہیں، مثلاً :

کس بوالہوس سے لینے چلے تم بھی دادِ عشق ___ جوہر ضرور بھینس نے کی قدر بین کی۔

نوحے اور مرثیے میں جوہر کی راہ بالکل الگ ہے۔ ان کا انداز اچھوتا اور نرالا ہے۔ عصرِ حاضر میں مختصر مرثیہ گوئی یا جدید مرثیہ نگاری کی جو تحریک شروع کی گئی ہے، اس کے ڈانڈے جوہر کے نوحوں اور مرثیوں سے جا ملتے ہیں، کیوں کہ ان میں اختصار، ایجاز بلکہ اعجاز کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

نوحۂ غم سے گھٹاتے نہیں ہم شانِ حسینؑ — حق ہے شاہد کہ شہادت ہی تھی شایانِ حسین
حشر تک چھوڑ گئے ایک درخشندہ مثال — حق پرستوں کو نہ بھولے گا یہ احسانِ حسین

جوہر کا اپنا بھی ایک رنگِ سخن ہے، جو ان کو دوسرے شاعروں سے ممتاز کرتا ہے۔ اس ضمن میں یہ اشعار قابلِ ملاحظہ ہیں:

الٰہی شکر ترا پھر مہِ صیام آیا — مہِ صیام نہیں عید کا پیام آیا
گھڑی وہ کیسی مبارک تھی کل جہاں کے لیے — حرا میں عرش سے اقرأ کا جب پیام آیا

یادِ وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دور — جاتی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور
مستِ مئے الست کہاں اور ہوس کہاں! — طرزِ وفا ہے غیر ہے اپنے چلن سے دور
یوں بچ سکو مواخذۂ حشر سے تو ہاں — مارو دیارِ غیر میں ہم کو وطن سے دور

ضبط بھی شیوۂ مسلم ہے مگر شکر خدا — نورِ اسلام سے دل آج بھی بے نور نہیں

ہے مسلماں کی بس یہی پہچان — کہ فقط اک خدا سے ڈرتا ہے
قولِ مومن ہے اس کے فعل کی شرح — وہ جو کہتا ہے کر گزرتا ہے

جوہر کا کلام صرف شعری محاسن سے ہی آراستہ نہیں، اس میں کہیں کہیں معائبِ سخن بھی موجود ہیں۔ جوہر اس بات سے ناآشنا نہ تھے، فقط جوہر ہی نہیں۔ بڑے بڑے شعرا کے کلام میں بھی حسن و قبح کے دونوں پہلو دست و گریبان ہوتے ہیں۔ اس باب میں داغ نے کیا خوب کہا ہے:

مجھے یہ ڈر ہے کہ ایمان نہ لے آئیں لوگ — خدا کرے غلطی کچھ مرے سخن میں رہے

جوہر میں دردِ مومن کی جملہ خصوصیات اور صفات موجود تھیں۔ وہ راضی بہ رضائے الٰہی تھے۔ رضا بہ قضا کے قائل تھے۔ راہِ خدا میں جان نثار کرنے اور جامِ شہادت نوش کرنے کی آرزو رکھتے تھے۔ خدائے لم یزل و لایزال، مولائے کل اور ختم الرسل (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عاشق و شیدا تھے۔ جد و جہدِ آزادی کو خطرناک سمجھ کر فرنگی حکومت نے آپ کو بیجاپور جیل میں قید کر دیا۔ جیل میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

دسلم کے دیدار سے مشرف ہوتے۔ اس کیفیت سے متاثر ہو کر آپ نے یہ اشعار کہے :

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں ۔۔۔ اب ہونے لگیں ان سے خلوت میں ملاقاتیں
بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں ۔۔۔ بھیجی ہیں درود دل کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

اپنی چہیتی بیٹی آمنہ کی علالت اور بستر مرگ پر تڑپنے کی خبر جیل میں ملی تو رضا بہ قضا کے پیش نظر یہ اشعار کہے :

ہم کو تقدیر الٰہی سے نہ شکوہ نہ گلہ ۔۔۔ اہل تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہیں
تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو ۔۔۔ نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

راضی بہ رضائے الٰہی کے ذیل میں فرماتے ہیں :

ہے سنت ارباب وفا صبر و توکل ۔۔۔ چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامان رضا دیکھ

کسی شاعر کے کلام پر نقد و نظر کے لیے تین باتیں ملحوظ رکھی جاتی ہیں : (۱) شاعر نے کیا کہا ہے ؟ (۲) کیوں کہا ہے ؟ اور (۳) کیسے کہا ہے ؟ اس مقالے میں یہ تینوں باتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ پہلی بات کے ذیل میں شاعر کے موضوعات آتے ہیں۔ دوسری بات کے ضمن میں اس کے کلام کی افادیت زیر بحث آتی ہے اور تیسری بات کے سلسلے میں شاعر کا انداز بیان موضوع تنقید بنتا ہے۔ جوہر کے ہاں موضوعات کے لحاظ سے زیادہ تر اسلامی عقاید، نظریات اور اصول کی ترجمانی ہے۔ اس کی جو افادیت ہے کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اسلوب بیان کا جہاں تک تعلق ہے، جوہر کے کلام میں زبان کی سادگی و سلاست اور بیان کی لطافت و حلاوت موجود ہے، آپ کے کلام میں صنائع و بدائع بھی ہیں۔ غزلیات کے باب میں دو غزلے یا ذوالمطلعین غزلیں بھی نظر آتی ہیں۔ ان میں ہر شعر منفرد حیثیت رکھتا ہے اور دوسرے اشعار سے مربوط بھی ہے۔ اس طرح آپ کے کلام میں تسلسل اور وحدت اثر (Unity of Impression) موجود ہے۔ زبان و بیان کے سلسلے میں بول چال کا مزہ، زبان کا چٹخارہ، روزمرہ کی چاشنی اور محاورے کا لطف ہے۔ اس کے ساتھ ہی مصرعوں کا دروبست، لفظوں کا اتار چڑھاؤ، سُروں کا زیروبم اور آوازوں کی جھنکار بھی کلام کے اثر کو دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ یا بعبارت دیگر دوچند بلکہ سہ چند کر دیتی ہے۔